© rasailojaraid.com

دورِ جدید کا اہم ترین مسئلہ

مذہب کی ضرورت اور اس کا معیار

جنوری کے آخری ہفتہ میں علی گڈھ یونیورسٹی کانوکیشن (جلسۂ تقسیم اسناد) کے موقع پر لارڈ لوتھین نے جو خطبہ دیا ہے، وہ درحقیقت اس قابل ہے کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ ــــ جدید اور قدیم دونوں ــــ اس کو گہری نظر سے دیکھیں اور اس سے سبق حاصل کریں۔ اس خطبہ میں ایک ایسا آدمی ہمارے سامنے اپنے دل و دماغ کے پردے کھول رہا ہے جس نے علوم جدیدہ اور انکی پیدا کردہ تہذیب کو محض دور سے نہیں دیکھا ہے، بلکہ خود اس تہذیب کی آغوش میں جنم لیا ہے اور اپنی زندگی کے ۵۶ سال اسی سمندر کی غواصی میں گذارے ہیں۔ وہ پیدائشی اور خاندانی یورپین ہے۔ آکسفورڈ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ "راؤنڈ ٹیبل" جیسے مشہور رسالے کا ایڈیٹر رہ چکا ہے، اور قریب قریب ۲۲ سال سے سلطنت برطانیہ کے مہمات امور میں ذمہ دارانہ حصہ لیتا رہا ہے۔ وہ کوئی بیرونی ناظر نہیں ہے، بلکہ مغربی تہذیب کے اپنے گھر کا آدمی ہے، اور وہ ہم سے بیان کرتا ہے کہ اس کے گھر میں اصل خرابیاں کیا ہیں، کس وجہ سے ہیں، اور اس کے گھر کے لوگ اس وقت درحقیقت کس چیز کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

ایک حیثیت سے یہ خطبہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے سبق آموز ہے کیونکہ اس سے انکو معلوم ہوگا کہ مغربی علوم اور انکی پیدا کردہ تہذیب نری تریاق ہی تریاق نہیں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اس میں بہت کچھ زہر بھی ملا ہوا ہے۔ جن لوگوں نے اس معجون کو بنایا اور صدیوں استعمال کیا، وہ آج خود آپ کو آگاہ کر رہے ہیں کہ "خبردار اس معجون کی پوری خوراک نہ لینا، یہ ہمیں تباہی کے کنارے پر پہنچا چکی ہے، اور تمہیں بھی تباہ کرکے رہیگی۔ ہم خود اس وقت تریاق خالص کے محتاج ہیں، اگرچہ ہمیں یقین کے ساتھ معلوم نہیں، مگر گمان ضرور ہوتا ہے کہ وہ تریاق تمہارے پاس موجود ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے تریاق کو خاک میں ملا کر ہماری اس زہر آلود معجون کے مزے پر لگ جاؤ"۔

دوسری حیثیت سے اس خطبہ میں ہمارے علماء اور مذہبی طبقوں کے لیے بھی کافی سامان بصیرت ہے۔ اس سے وہ اندازہ کر سکینگے کہ اس وقت جس دنیا میں وہ زندگی بسر کر رہے ہیں اس کے سامنے اسلامی تعلیمات کے کن پہلوؤں کو روشنی میں لانے کی ضرورت ہے۔ یہ دنیا کئی صدیوں سے مادہ پرستی کی تہذیب کا تجربہ کر رہی ہے، اور اب اس سے تھک چکی ہے۔ صدیوں پہلے روحِ تحقیق اور آزادیٔ فکر کا جو تریاق ہم نے اہلِ فرنگ کو بہم پہنچایا تھا، اس میں خود انہوں نے محض نادانستگی میں لامذہبی اور مادیت کا زہر ملا دیا، اور دونوں کی آمیزش سے ایک نئی تہذیب کی معجون تیار کی۔ اس معجون کا تریاق اپنے زور سے انہیں ترقی کے آسمان پر اٹھائے گیا، مگر اس کا زہر بھی برابر اپنا کام کرتا رہا، یہاں تک کہ اب تریاق پر زہر کا اثر پوری طرح غالب ہو چکا ہے۔ اس کے تلخ نتائج کو خوب اچھی طرح بھگت لینے کے بعد اب وہ پھر تریاق کی مزید خوراک کے لیے چاروں طرف نظر دوڑا رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی معجون میں زہریلے اجزاء کون کون سے ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ ان اجزاء کے ملنے سے انکی زندگی پر کیا اثر پڑا ہے۔ وہ اب یہ بھی صاف طور پر محسوس کر رہے ہیں کہ ان اثرات کو دور کرنیکے لیے کس قسم کا تریاق انہیں درکار ہے، مگر صرف یہ بات ان کو معلوم نہیں ہے کہ جس تریاق کے وہ طالب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، وہ اسلام کے سوا دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں، اور یہ آخری خوراک بھی ان کو اسی دواخانے سے ملیگی جہاں سے پہلی خوراک ملی تھی۔ اس مرحلے تک پہنچ جانیکے بعد بھی اگر وہ تریاق کیلیے بھٹکتے رہیں، اور اسے نہ پاکر اپنے زہر سے ساری دنیا کو مسموم کیے چلے جائیں، تو اس گناہِ عظیم میں انکے ساتھ علمائے اسلام بھی برابر کے شریک ہونگے۔ علماء کیلیے اب یہ وقت نہیں ہے کہ وہ الٰہیات اور مابعد الطبیعیات، اور فقہی جزئیات کی بحثوں میں لگے رہیں۔ رسول اللہ کو علمِ غیب تھا یا نہ تھا؟ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ رسول اللہ کا نظیر ممکن ہے یا نہیں؟ ایصالِ ثواب اور زیارت قبور کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آمین بالجہر و رفع یدین کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ مسجد میں منبر و محراب کے درمیان کتنا فاصلہ رکھا جائے؟ یہ اور ایسے ہی بیسیوں مسائل جن کو طے کرنے میں آج ہمارے پیشوایانِ دین اپنی ساری قوتیں ضائع کر رہے ہیں، دنیا کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اور انکے طے ہو جانے سے ہدایت و ضلالت کی اس عظیم الشان لڑائی کا تصفیہ نہیں ہوسکتا جو اس وقت تمام عالم میں چھڑی ہوئی ہے۔ آج اصلی ضرورت ان مسائل کے سمجھنے کی ہے جو ناخدا شناسی اور لادینی کی بنیاد پر علم اور تمدن کے صدیوں تک نشو و نما پاتے رہنے سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کی پوری پوری تشخیص کرکے اصول اسلام کے مطابق ان کا قابلِ عمل حل پیش کرنا وقت کا اصلی کام ہے۔ اگر علماء اسلام نے اپنے آپ کو اس کام کا اہل نہ بنایا، اور اسے انجام دینے کی کوشش نہ کی تو یورپ اور امریکہ کا جو حشر ہوگا سو ہوگا، خود دنیائے اسلام بھی تباہ ہو جائیگی، کیونکہ وہی مسائل جو مغربی ممالک کو درپیش ہیں، تمام اسلامی ممالک اور ہندوستان میں پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو چکے ہیں، اور ان کا کوئی صحیح حل بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے مسلم اور غیر مسلم سب کے سب اُن لوگوں کے الٹے سیدھے نسخے استعمال کرتے چلے جا رہے ہیں جو خود بیمار ہیں۔ اب یہ معاملہ صرف یورپ اور امریکہ کا نہیں بلکہ ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے گھر اور ہماری آئندہ نسلوں کا ہے۔

ان وجوہ سے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ حضرات اور علماء، دونوں، لارڈ لوتھین کے اس خطبے کو غور سے ملاحظہ کریں۔ بیچ میں حسب ضرورت ہم مطالب کی تشریح کرتے جائینگے تاکہ مغز کلام تک پہنچنے میں مزید سہولت ہو۔

لارڈ لوتھین اپنی بحث کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں:

"ایک اور امر تنقیح طلب ہے جسکی طرف آج میں آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ کیا ہندوستان دور جدید کی سائنٹفک اور عقلی تعلیم کے اُس شدید نقصان سے بچ سکتا ہے جس میں یورپ اور امریکہ آج کل مبتلا ہیں؟

"مغرب میں حکمت جدیدہ سے دو بڑے نتیجے رونما ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو اس نے فطرت اور اسکی طاقتوں پر انسان کی دسترس کو بہت زیادہ وسیع کر دیا۔ دوسری طرف اس نے یونیورسٹیوں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں پر سے عموماً ساری ہی دنیا میں متوارث مذہب کے اقتدار کو کمزور کر دیا۔ دنیائے جدید کی کم از کم آدھی خرابیاں در اصل انہی دو اسباب سے پیدا ہوئی ہیں۔ تہذیب یافتہ آدمی اُن طاقتوں کے نشے سے چُور ہو گیا ہے جو سائنس نے اس کو فراہم کر دی ہیں۔ مگر اس نے علم اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاق میں مساوی ترقی نہیں کی، جو اس بات کی ضامن ہو سکتی تھی کہ یہ طاقتیں انسان کی تباہی کے بجائے اسکی بھلائی کیلیے استعمال ہوں"۔

اس تمہید میں فاضل خطیب نے در اصل انسانی تہذیب و تمدن کے ایک بنیادی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سائنس مجرد سائنس ہونے کی حیثیت سے اسکے سوا کچھ نہیں کر وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحقیق و اجتہاد اور تلاش و تجسس کی ایک لگن ہے جس کی بدولت انسان کو عالم طبیعی کی چھپی ہوئی قوتوں کا حال معلوم ہوتا ہے، اور وہ ان سے کام لینے کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ اس علم کی ترقی سے جو نئی طاقتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں، ان کو جب وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرنے لگتا ہے تو یہ تمدن کی ترقی کہلاتی ہے۔ لیکن یہ دونوں چیزیں بجائے خود انسان کی فلاح کی ضامن نہیں ہیں۔ یہ جس طرح فلاح کی موجب ہو سکتی ہیں اسی طرح تباہی کی موجب بھی ہو سکتی ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنیکے بجائے اگر انسان مشین سے کام کرنے لگا، جانوروں پر سفر کرنیکے بجائے اگر ریل اور موٹر اور بحری و ہوائی جہازوں پر دوڑنے لگا، ڈاک چوکیوں کے بجائے اگر تار برقی اور لاسلکی سے خبر رسانی ہونے لگی، تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان پہلے سے زیادہ خوشحال ہو گیا۔ ان چیزوں سے جسقدر اسکی خوشحالی بڑھ سکتی ہے اسی قدر اسکی مصیبت اور تباہی بھی بڑھ سکتی ہے، کیونکہ جس دور تمدن میں انسان کے پاس صرف تیر و شمشیر کے آلات تھے، اُسکے مقابلہ میں وہ تمدن بدرجہا زیادہ مہلک ہو سکتا ہے جسمیں اسکے پاس مشین گنیں اور زہریلی گیسیں، ہوائی جہاز اور تحت البحر کشتیاں ہوں۔ ترقی علم و تمدن کے موجب فلاح یا موجب ہلاکت ہونیکا تمام تر انحصار اُس تہذیب پر ہے جسکے زیر اثر علوم و فنون اور تمدن و حضارت کا ارتقار ہوتا ہے۔ ارتقار کا راستہ، انسانی مساعی کا مقصد، اور حاصل شدہ طاقتوں کا مصرف متعین کرنے والی چیز یہی تہذیب ہے۔ یہی انسان اور انسان کے باہمی تعلق کی نوعیت طے کرتی ہے۔ یہی اجتماعی زندگی کے اصول اور شخصی، قومی اور بین الاقوامی معاملات کے اخلاقی قوانین بناتی ہے۔ اور فی الجملہ یہی چیز انسان کے ذہن کو اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے تیار کرتی ہے کہ علم کی ترقی سے جو طاقتیں اس کو حاصل ہوں انہیں اپنے تمدن میں کس صورت سے داخل کرے، کس مقصد کیلیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کس طرح انکو استعمال کرے، اور مختلف استعمالات میں سے کن کو ترک اور کن کو اختیار کرے۔ عالم طبیعی (Physical World) کے مشاہدات اور قوانین طبیعی کے معلومات بجائے خود کسی اعلیٰ تہذیب کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ کیونکہ انکی رو سے تو انسان کی حیثیت ایک ذی عقل حیوان سے زیادہ نہیں ہے۔ انکی مدد سے صرف وہی نظریۂ حیات قائم کیا جاسکتا ہے جو مادیین کا نظریہ ہے، یعنی یہ کہ انسان کیلئے زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اس زندگی میں اپنی حیوانی خواہشات کو زیادہ سے زیادہ کمال کے ساتھ پورا کرنا اس کا منتہائے مقصود ہے، اور کائنات میں جو تنازع للبقاء اور بقائے اصلح کا قانون جاری ہے، اس سے ہم آہنگ ہو جانا اور گرد و پیش کی تمام مخلوقات کو کچل کر خود سب پر غالب ہو جانا ہی طاقت کا اصل مصرف ہے۔ یورپ نے جو تہذیب اختیار کی وہ اسی نظریۂ حیات پر مبنی تھی، اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم اور تمدن کی ترقی نے انسان کو جس قدر طاقتیں بہم پہنچائیں وہ سب انسانیت کی فلاح کے بجائے اسکی تباہی کے راستہ میں صرف ہونے لگیں۔ اب خود یورپ والوں کو محسوس ہونے لگا ہے کہ ان کو حیوانی تہذیب سے بلند تر ایک انسانی تہذیب کی ضرورت ہے، اور اس تہذیب کی اساس مذہب کے سوا اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

آگے چل کر لارڈ لوتھین فرماتے ہیں:

"سائنٹفک اسپرٹ (روح تحقیق) نے یہ تو ضرور کیا کہ رفتہ رفتہ پرانے توہمات کو دور کر دیا، علم کے دائرے کو پھیلا دیا، اور اس طرح مردوں اور عورتوں کو ان بہت سی قیود سے آزاد کر دیا جن میں وہ پہلے جکڑے ہوئے تھے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کیا کہ انسان کو روحانی اور مذہبی صداقت کا شدت کے ساتھ حاجتمند بنا کر چھوڑ دیا اور اس صداقت تک پہنچنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کوئی راستہ فراہم نہ کیا۔ اکثر اہل مغرب کا حال اب یہ ہے کہ وہ بچوں کی طرح تیز رفتاری، اور رجوبہ زائی، اور حواس کی لذتوں کے شوق میں منہمک ہیں، سادہ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت ان سے سلب ہو گئی ہے، اور عملاً ان کا کوئی ربط اس لامحدود، ازلی و ابدی حقیقت سے باقی نہیں رہا ہے، جسے مذہب پیش کرتا ہے۔

"وہ مذہب جو انسان کا ناگزیر رہنما، اور انسانی زندگی کو اخلاقی مقصد، شرف اور معنویت حاصل ہونے کا واحد ذریعہ ہے، اس کے اقتدار میں زوال آجانے کا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مغربی دنیا ان سیاسی مسلکوں کی گرویدہ ہو گئی ہے جو نسلی یا طبقاتی بنیادوں پر قائم ہیں اور سائنس کی اُس صورت پر ایمان لے آئی ہے جو محض مادّی ترقی کو منتہائے مقصود قرار دیتی اور زندگی کو روز بروز پیچیدہ اور گراں بار بنائے چلی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ کیلیے اپنی روح اور اپنی زندگی میں اُس اتحاد کا پیدا کرنا دشوار ہو رہا ہے جو اس کو موجودہ دور کی سب سے بڑی مصیبت، نیشنلزم سے نجات دلائے۔"

اس کے بعد لارڈ لوتھین نے ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا ہے :-

"کیا ہندوستان کے دو بڑے مذہب، ہندوازم اور اسلام، جدید دور کی تنقیدی اور تحقیقی روح کا مقابلہ، مغرب کی مذہبی عصبیت کی بہ نسبت زیادہ کامیابی کیساتھ کر سکینگے؟ یہ اہم ترین سوال ہے، اور اگر ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ان مصائب سے بچانا ہے جو مغرب پر نازل ہو چکے ہیں، تو اس ملک کے علمی اور مذہبی لیڈروں کو اسی سوال پر اپنی توجہ مرکوز کر دینی چاہیے۔ اس میں تو شک نہیں کہ روح تحقیق رفتہ رفتہ توہم اور جاہلیت کے ان عناصر کو فنا کر دیگی جو اب تک ہندوستان کے عوام میں پھیلے ہوئے ہیں، اور یہ بہت اچھا ہوگا، مگر کیا یہ چیز ان دونوں مذاہب کے اصول اخلاق و روحانیت کو بھی ان لوگوں کے دل و دماغ سے نکال دیگی جو آگے چل کر ہندوستان کی سیاسی، تمدنی اور صنعتی زندگی کے لیڈر بننے والے ہیں؟ میں ہندوازم اور اسلام کی اندرونی زندگی سے واقفیت کا مدعی نہیں ہوں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ ایسے عناصر رکھتے ہیں جو ان میں سے ہر ایک کو یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے مردوں اور عورتوں پر قابو رکھنے کے قابل بنا سکینگے، اگرچہ عیسائیت کی بعض ایسی غلط اعتقادی بندشیں اس میں ناکام ہو چکی ہیں جنہوں نے اس مذہب کے جلیل القدر بانی کی پیش کردہ صداقتوں کو چھپا لیا۔"

جیسا کہ لارڈ لوتھین نے خود اعتراف کیا ہے، حقیقتہً ان کو ہندوازم اور اسلام کے متعلق کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ انہوں نے محض دور سے دیکھ کر چند چیزیں ہندو مذہب میں اور چند اسلام میں ایسی پائی ہیں جو ان کے نزدیک جدید تنقید و تحقیق کی روح کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ لوگوں کو اخلاق و روحانیت کے بلند تر اصولوں پر قائم رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ لیکن جو لوگ ان دونوں مذاہب، بلکہ ہندوستان کے تمام مذاہب کا اندرونی علم رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ روح تنقید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحقیق کے مقابلہ میں اگر کوئی مذہب ٹھیر سکتا ہے، بلکہ صحیح تر الفاظ میں، اگر کوئی مذہب اس روح کیساتھ اپنے پیرووں کو لیکر آگے بڑھ سکتا ہے، اور ترقی و روشنی کے دور میں پوری نوع انسانی کا مذہب بن سکتا ہے، تو وہ اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ مسیحیت کیوں ناکام ہوئی؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ کوئی اجتماعی مسلک نہیں ہے بلکہ اجتماعیت کی عین نفی ہے۔ اس کو صرف فرد کی نجات سے بحث ہے، اور اسکی نجات کا راستہ بھی اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ وہ دنیا سے منہ موڑ کر اپنا رخ آسمانی بادشاہت کی طرف پھیر لے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یورپ کی قوموں نے دنیوی ترقی کے راستہ پر قدم بڑھایا تو مسیحیت انکی مددگار ہونے کے بجائے مزاحم ہوئی، اور انہیں اسکی بندشیں توڑ کر آگے بڑھنا پڑا۔ اسی سے ملتا جلتا حال ہندوازم کا بھی ہے۔ اس کے پاس بھی کوئی ترقی پذیر فلسفہ اور کوئی عقلی قانونِ اخلاق اور کوئی وسعت پذیر نظام اجتماعی نہیں ہے۔ سب سے بڑی طاقت جس نے ہندووں کو ایک سوشل سسٹم میں باندھے رکھا ہے، اور دوسری تہذیبوں کا اثر قبول کرنے سے روکا ہے، وہ ان کا ورن آشرم (Caste System .) ہے۔ مگر موجودہ دور کی روح تنقید و تحقیق کے سامنے اس بندھن کا ٹوٹنا یقینی ہے اور یہ ٹوٹ کر رہیگی۔ اسکے بعد کوئی چیز ہندو سوسائیٹی کو ٹوٹنے سے نہ بچا سکیگی، اور اسکے مقفل دروازے، بیرونی اثرات کے لیے چوپٹ کھل جائینگے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہندووں کے قدیم قوانین معاشرت و تمدن، اور ان کے پرانے بت پرستانہ توہمات، اور ان کے غیر عقلی اور غیر علمی فلسفیانہ قیاسات، دور جدید کی علمی ترقی اور اجتماعی بیداری کے سامنے نہیں ٹھیر سکتے۔ اب ہندو روز بروز ایک ایسے دور اسے کے قریب پہنچتے جا رہے ہیں جہاں انکی اور بڑی حد تک ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔ یا تو وہ اسلام کے خلاف اسی تعصب میں گرفتار رہینگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں یورپ کی نشأۃ جدیدہ (Renaissance) کے موقع پر مسیحی اہل یورپ گرفتار رہتے، اور اُسی طرح اسلام سے منحرف ہوکر مادّہ پرستانہ تہذیب کا راستہ اختیار کرینگے جس طرح اہل یورپ نے اختیار کیا۔ یا پھر فوج در فوج اسلام میں داخل ہوتے چلے جائینگے۔

اس فیصلہ کا انحصار بڑی حد تک مسلمانوں اور خصوصاً ان کے قدیم و جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے طرز عمل پر ہے۔ اسلام محض اپنے نام سے تو کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ اسکے اصول اگر محض کتاب میں لکھے رہیں تو ان سے بھی کسی معجزے کا صدور ممکن نہیں۔ جس انتشار اور بے عملی کی حالت میں مسلمان اسوقت مبتلا ہیں، جو جمود انکے علماء پر طاری ہے، اور جس زنانہ انفعال و تاثر کا اظہار انکی نئی تعلیم یافتہ نسلوں سے ہو رہا ہے، اس سے ہندوستان کی روح کا فتح ہونا تو در کنار، یہ بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ اسلام کے نام لیوا خود اپنی جگہ ہی پر قائم رہ جائینگے۔ انقلاب کے تیز رو سیلاب میں کسی جماعت کا ساکن کھڑا رہنا غیر ممکن ہے۔ یا اس کو رو میں بہنا پڑیگا، یا پوری مردانگی کیساتھ اٹھ کر سیلاب کا منہ پھیر دینا ہوگا۔ یہ دوسری صورت صرف اسی طرح رونما ہوسکتی ہے کہ اول تو عام مسلمانوں کی اخلاقی حالت درست کی جائے اور ان میں اسلامی زندگی کی روح پھونک دی جائے۔ دوسرے علمائے اسلام اور نئے تعلیم یافتہ مسلمان مل کر اصول اسلام کے مطابق زندگی کے جدید مسائل کو سمجھیں اور علمی و عملی دونوں صورتوں میں ان کو اس طرح حل کرکے بتائیں کہ اندھے متعصبین کے سوا ہر معقول انسان کو تسلیم کرنا پڑ جائے کہ ایک ترقی پذیر تمدن کیلیے اسلامی تہذیب کے سوا اور کوئی اساس صحیح اور بے عیب نہیں ہوسکتی۔

ہندوستان میں مذہب اور سائنس کی نزاع کا وہ تصور اب تک چلا جا رہا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو یورپ میں اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے تھا۔ لیکن یورپ میں نقشہ بدل چکا ہے، اور یورپ کا پس خوردہ کھانے والے ہندوستان میں بھی عنقریب یہ نقشہ بدل جانے والا ہے، لہٰذا وہ وقت قریب آرہا ہے جب "مذہب" کے خلاف کم از کم علمی و عقلی حیثیت سے یہ تعصب باقی نہ رہیگا، بشرطیکہ ہم اُس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے پہلے سے تیار ہوں۔

اس حقیقت کی طرف لارڈ لوتھین نے مختصر الفاظ میں یوں اشارہ کیا ہے :۔

"ساٹھ برس پہلے سائنس اور مذہب میں ایسا معرکہ جاری تھا جسکے ختم ہونے کی کوئی توقع نظر نہ آتی تھی۔ زندگی کے روحانی تصور اور مشینی تصور کے درمیان ایسی جنگ برپا تھی جسکے متعلق شبہ ہوتا تھا کہ یہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے پہلے ختم نہ ہوگی۔ مگر آج دونوں فریقوں نے ڈگیں ڈال دی ہیں۔ نہ سائنس داں، اور نہ دیندار، دونوں میں سے کوئی بھی آج اُس تحکّم کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس نے کائنات کا معمّہ حل کرلیا ہے، بلکہ درحقیقت دل میں دونوں کے یہ شبہ پیدا ہو چکا ہے کہ آیا وہ اس معمّہ کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں یا نہیں۔ لہٰذا اب ایک ایسے امتزاج کا امکان پیدا ہو چکا ہے جو تحقیق علمی کے نئے نئے زور شور میں غیر ممکن نظر آتا تھا۔"

لارڈ لوتھین بہرحال مذہب کے مسیحی تصور سے آزاد نہیں ہیں، اور مذہب کا وہ عقلی تصور ان تک پہنچا ہی نہیں ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے، اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ صرف یہی سوچ سکتے ہیں کہ مذہب اور سائنس میں اب کوئی امتزاج ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم مذہب و سائنس کے امتزاج کو بے معنی سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو حقیقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب وہ ہے جو سائنس کی روح، اسکی رہنما طاقت بن جائے۔ اسلام درحقیقت ایسا ہی مذہب ہے، اور آج اس کو سائنس کی روح بننے سے اگر کوئی چیز روکے ہوئے ہے تو وہ اس کا اپنا اندرونی نقص نہیں ہے، بلکہ اس کے علمبرداروں کی غفلت، اور موجودہ سائنس کے علمبرداروں کا جہل اور جاہلانہ تعصب ہے۔ یہ دو اسباب دور ہو جائیں۔ پھر یہ سائنس کے قالب میں جان ہی بن کر رہے گا۔

آگے چل کر فاضل خطیب نے اس امر پر بحث کی ہے کہ موجودہ دور کی علمی بیداری اور عقلی تنقید کے سامنے کس قسم کا مذہب ٹھیر سکتا ہے؟ انسان اس روشنی کے عہد میں جس مذہب کا طلبگار ہے اسکی خصوصیات کیا ہونی چاہییں؟ اور اس وقت انسان کی اصلی حاجات کیا ہیں جن کیلیے وہ مذہب کی رہنمائی ڈھونڈ رہا ہے؟ یہ اس خطبہ کا سب سے زیادہ قابلِ توجہ حصہ ہے۔

"اگر میں صورتِ حال کا غلط اندازہ نہیں کر رہا ہوں، تو یہ حقیقت ہے کہ جو امتحان اسوقت مذہب کو درپیش ہے، اس سے وہ صرف اسی صورت میں کامیابی کیساتھ گذر سکتا ہے، جبکہ نوخیز نسل، اُسکے اندرونی نظام کی جانچ پڑتال کرکے اس امر کا پورا اطمینان حاصل کرے کہ زندگی میں جن عملی مسائل اور جن پریشانیوں اور پیچیدگیوں سے اس کو سابقہ پڑ رہا ہے ان کا بہترین حل اس مذہب میں موجود ہے۔ شخصی مذہب کا دور اب گذر چکا ہے۔ محض جذباتی مذہب کی بھی اب کسی کو حاجت نہیں۔ اس قسم کے مذہب کا زمانہ بھی اب نہیں رہا جو فرد کو صرف اس حد تک تسلّی اور سہارا دے سکتا ہو کہ اسکے اخلاقی طرزِ عمل کیلیے کچھ ہدایات دیدے، اور ایک ایسی نجات کی امید دلادے جس کا حال مرنے کے بعد ہی کھل سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کا سائنٹفک آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ہر چیز کو حتی کہ خود صداقت کو بھی بیّن نتائج کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھنا چاہتا ہے اگر اس کو مذہب کا اتباع کرنا ہے، تو وہ مطالبہ کرتا ہے کہ مذہب اسکو یہ بتائے کہ وہ اسکی زندگی کے عملی مسائل کا اپنے پاس کیا حل رکھتا ہے۔ بہت سے جنموں کے بعد آخر کار نروان حاصل ہونے کی امید، یا موت کے دروازے سے گذر جانیکے بعد آسمانی بادشاہت میں پہنچ جانے کی توقع ایسی چیز نہیں ہے کہ صرف اسی کی بنیاد پر وہ مذہب کو قبول کرے۔ اسکی فلسفیانہ جستجو کیلیے مذہب کو سب سے پہلے تو وہ کلید فراہم کرنی چاہیے جس سے وہ کائنات کے معمے کا کوئی قابل اطمینان حل پا سکے۔ پھر اسے ٹھیک ٹھیک سائنٹفک طریقہ پر علّت اور معلول، سبب اور نتیجہ کا بیّن تعلق ثابت کرتے ہوئے یہ دکھانا چاہیے کہ انسان اُن طاقتوں کو کسطرح قابو میں لائے جو اس وقت بے قابو ہو کر نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے کے بجائے تباہ کر دینے کی دھمکیاں دے رہی ہیں، اور کسطرح وہ بے روزگاری، غیر معقول عدم مساوات، ظلم و ستم، معاشی لوٹ، جنگ، اور دوسری اجتماعی خرابیوں کا انسداد کرے، اور افراد کی باہمی کشمکش اور خاندانی نظام کی برہمی کو کسطرح روکے جس نے انسان کی مسرتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔

انسان آج صرف اس وجہ سے مذہب کی طرف دیکھ رہا ہے کہ سائنس نے اسکی مشکلات کو حل کرنیکے بجائے اور زیادہ بڑھا دیا ہے، اسلیے وہ مذہب سے اپنے شکوک اور اپنی مشکلات کا حل طلب کرنے میں اُتنا بے چین ہے جتنا اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اب اگر مذہب اپنے مقام کی حفاظت اور اپنے کھوئے ہوئے میدان کی بازیافت چاہتا ہے، تو اسے اِن سوالات کا روحانی مگر سائنٹفک جواب دینا چاہیے جسکی صحت کو نتائج کے معیار پر اسی دنیا میں جانچا اور پرکھا جا سکے، موت کے بعد دوسری دنیا پر نہ اٹھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا جائے۔ ہم اہلِ مغرب جانتے ہیں کہ یہ سب سے بڑا سوال ہے جو ہمارے اس دور میں سامنے آیا ہے۔ کیا آپ ہندوستان میں اس کا جواب دے سکتے ہیں؟"

لارڈ لوتھین کی تقریر کا یہ حصہ پڑھتے وقت بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی پیاسا ہے جسے پانی کا تو علم نہیں، مگر وہ اپنی پیاس کی کیفیات کو ٹھیک ٹھیک محسوس کر رہا ہے اور بتا تا جاتا ہے کہ میرے جگر کی آگ کوئی ایسی چیز مانگتی ہے جس میں یہ اور یہ صفات موجود ہوں۔ اگر پانی اسکے سامنے لاکر رکھ دیا جائے تو اسکی فطرت فوراً پکار اٹھے گی کہ جس چیز کا وہ پیاسا ہے وہ یہی چیز ہے، اور وہ لپک کر اسے منہ سے لگا لیگا۔ یہ حال صرف ایک لارڈ لوتھین ہی کا نہیں ہے، بلکہ یورپ اور امریکہ اور تمام دنیا میں جو لوگ موجودہ تہذیب و تمدن کی گرمی سے خوب تپ چکے ہیں، اور جو فلسفہ و سائنس کے صحراؤں میں کنارے کی شادابیوں سے گذر کر وسط کی بے آب و گیاہ پہنائیوں تک پہنچ چکے ہیں، ان سب کو آج یہی پیاس محسوس ہو رہی ہے۔ اسب اپنی صفات کی ایک چیز مانگ رہے ہیں جنکا ذکر لارڈ لوتھین نے کیا ہے، اور ان سب کا یہی حال ہے کہ پانی کا نام نہیں جانتے، یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کہاں پایا جاتا ہے مگر رہ رہ کر پکارتے ہیں کہ

جگر کی آگ بجھے جس سے وہ شے لا!

پانی کا نام انہوں نے سنا تو ضرور ہے مگر اس نام سے یہ محض اسلیے گھبراتے ہیں کہ اصل شے کو انہوں نے خود دیکھا نہیں ہے، اور اپنے جاہل و متعصب اسلاف سے یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ خبردار پانی کے پاس نہ پھٹکنا، یہ ایک بڑی زہریلی چیز کا نام ہے۔ لیکن اب یہ اس مرحلے پر پہنچ گئے ہیں کہ اگر نام کو چھپا کر نفسِ شے کو انکے سامنے رکھ دیا جائے تو بے اختیار کہدینگے کہ ہاں! ٹھیک یہی وہ چیز ہے جسکے ہم پیاسے ہیں۔ پھر جب انہیں بتایا جائیگا کہ حضرت! یہ وہی "پانی" ہے جسکے نام سے آپ گھبراتے تھے تو حیرت سے ان کا منہ کھلا رہجائیگا، اور کہینگے کہ کیسا دھوکا تھا جس میں ہم مبتلا تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"موجودہ زمانے کا سائنٹفک آدمی" عیسائیت کو خوب چکھ اور پرکھ کر دیکھ چکا ہے، اور یہ بات اس پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ وہ اسکے مرض کی دوا نہیں ہے۔ ہندوازم اور بودھ ازم کے خیالی فلسفوں اور انکی تاریخی قدامت کو دیکھ کر وہ کبھی کبھی ان سے مسحور ہو جاتا ہے، مگر سائنٹفک تنقید و تحلیل کے پہلے ہی امتحان میں انکی ناکامی کھل کر رہتی ہے۔ بودھ مت تو قریب قریب عیسائیت کا ہندوستانی ایڈیشن ہے۔ رہا ہندوازم تو وہ خود اُن مشکلات اور اُن پیچیدگیوں کو پیدا کرتا ہے جن سے نکلنے ہی کیلیے موجودہ زمانے کا سائنٹفک آدمی مذہب کی ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ انسان اور انسان میں غیر معقول نامساوات سب سے زیادہ اسکی دائرہ میں پائی جاتی ہے۔ معاشی لوٹ کی سب سے بدتر صورت، یعنی مہاجنی سودخواری اسکے سسٹم کا ایک غیر منفک جزو بن چکی ہے۔ جنگ کی اصلی وجہ، یعنی انسان کی نسلی تقسیم اور نسلی منافرت اسکی عین اساس میں پیوست ہے۔ اجتماعی زندگی کیلیے جو نظام اس نے قائم کیا ہے وہ انسانوں کو ملانے والا نہیں بلکہ بے شمار طبقوں اور گوتروں میں تقسیم کرنے والا ہے۔ اسکے قوانین معاشرت اتنے بوسیدہ ہیں کہ موجودہ علمی و عقلی بیداری کے دور میں خود ہزاروں برس کے خاندانی ہندو اُن قوانین کو توڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، کیونکہ انکی بنیاد علم اور عقل پر نہیں بلکہ تعصبات اور توہمات پر ہے۔ ان دنیوی مسائل سے اوپر، اخلاقیات اور الٰہیات کے دائرے میں وہ اس سے بھی زیادہ ناقص پایا جاتا ہے۔ کائنات کے معمے کو اطمینان بخش طریقے پر حل کرنے کیلیے اسکے پاس کوئی کلید نہیں۔ اس کے عقائد اذعانی عقائد ہیں، سائنٹفک ثبوت ان میں سے کسی چیز کا نہیں دیا جا سکتا۔ اخلاقیات میں وہ دل خوش کن مفروضات کا ایک طلسم ضرور بناتا ہے، جیسا کہ مثال کے طور پر ایک طلسم مہاتما گاندھی نے بنا رکھا ہے۔ مگر معقولات اور حکمت عملی (Practical Wisdom.) سے اس کا دامن خالی ہے۔ موجودہ علمی بیداری کے دور میں اسکی ناکامی اگر نہیں کھلی ہے تو عنقریب کھل جائیگی۔

اسکے بعد میدان میں صرف اسلام رہ جاتا ہے، اور رہی ان معیاروں میں سے ایک ایک معیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر پورا اترتا ہے جو آج کل کا "سائنٹفک آدمی" اپنے مذہبِ مطلوب کے لیے پیش کر رہا ہے یا کر سکتا ہے۔

یہ بات کہ مذہب محض ایک شخصی معاملہ ہے، اور محض انفرادی ضمیر ہی سے اس کا تعلق ہے، اب ایک فرسودہ بات ہو چکی ہے۔ یہ انیسویں صدی کی بہت سی خام خیالیوں میں سے ایک تھی، جسے بیسویں صدی کی اس چوتھی دہائی میں بھی ہندوستان کے بعض وہ قدامت پسند اب تک رٹے جا رہے ہیں جو ادعائے تجدد کے باوجود ہمیشہ دنیا سے پچاس برس پیچھے چلنے کے خوگر ہیں۔ اب قریب قریب یہ بات مسلّم ہو چکی ہے کہ فرد کا تصور جماعت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شخص دوسرے کے ساتھ بے شمار چھوٹے بڑے تعلقات میں جکڑا ہوا ہے، اور سوسائٹی من حیث المجموع ایک جسم کا حکم رکھتی ہے جس میں افراد کی حیثیت زندہ جسم کے اعضاء کی سی ہے۔ مذہب کی ضرورت اگر ہے تو وہ صرف فرد کو اپنے ضمیر کے اطمینان اور اپنی نجات بعد الموت ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ پوری جماعت کو اپنی تنظیم اور اپنی دنیوی زندگی کے سارے کاروبار چلانے کے لیے ہے، اور اگر اس چیز کی ضرورت نہیں ہے، تو فرد کو بھی نہیں اور جماعت کو بھی نہیں۔ یہ تصور سراسر ایک طفلانہ تصور ہے کہ اجتماعی زندگی کا نظام کچھ اور ہو، اور اس نظام سے بے تعلق ہو کر افراد کے مذہبی عقائد اور ان کے مذہبی اعمال کچھ اور رہیں۔ مذہبی عقائد اور مذہبی اعمال کا کوئی ربط اگر اجتماعی زندگی سے نہ ہو تو ایسے عقائد اور اعمال محض بیکار ہیں، اور صرف بیکار ہی نہیں ہیں بلکہ ایک ایسے اجتماعی نظام میں ان کا مضمحل ہو جانا یقینی ہے جس کے دوسرے اجزاء ان کے ساتھ وہ تعامل (Interaction) قبول نہ کرتے ہوں۔ لہٰذا دو صورتوں میں سے لامحالہ کوئی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا تو پوری جماعت کا نظام سراسر لامذہبی ہو اور مذہب کو قطعی طور پر انسان کی زندگی سے خارج کر دیا جائے، جیسا کہ اشتراکیوں کا مسلک ہے۔ یا پھر اجتماعی نظام پورا کا پورا مذہبی ہو، اور علم اور تمدن دونوں کے لیے مذہب کو رہنما تسلیم کیا جائے، جیسا کہ اسلام کا مقتضا ہے۔ پہلی صورت کا تجربہ دنیا بہت طویل مدت تک کر چکی ہے۔ اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کر دوسرے پہل پیدا ہو سکتے تھے، وہی پیدا ہوئے، اور وہی آئندہ بھی پیدا ہونگے جنکا ذکر لارڈ لوتھین نے کیا ہے۔ اب دنیا کی نجات صرف دوسری ہی صورت میں ہے، اور اس بروئے کار آنے کے مواقع روز بروز زیادہ پیدا ہوتے جارہے ہیں۔

مگر جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں ان مواقع سے فائدہ اٹھانا یا انکو ہمیشہ کیلیے کھو دینا، مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ واقعات کی رفتار، دنیا کو ـــ اور دنیا کا ایک جز ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کو بھی ـــ ایک ایسے مقام پر لے آئی ہے جہاں سے وہ اسلام کیطرف بھی مڑ سکتی ہے، اور مادہ پرستی اور فساد اخلاق کے اسفل السافلین کیطرف بھی۔ طبعاً اس کا رخ ابھی تک دوسرے راستے کیطرف ہے، کیونکہ اسی راستہ پر وہ ایک مدت دراز سے بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اگرچہ اس راستہ کے مہالک دیکھ دیکھ کر وہ سہم رہی ہے، اور چاروں طرف گھبرا گھبرا کر دیکھتی ہے کہ کوئی بچاؤ کی راہ بھی ہے یا نہیں۔ مگر بچاؤ کی راہ خود اسکی اپنی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ وہ درحقیقت اس وقت ایسے لیڈروں کی محتاج ہے جو قوت کیساتھ اٹھ کر اسکی نگاہوں پر سے پردہ اٹھا دیں اور اسلام کی صراط مستقیم کا واحد راہِ نجات ہونا ثابت و مبرہن کر دیں۔ ایسی ایک مجاہد اور مجتہد جماعت اگر مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو مسلمان تمام دنیا کے امام اور پیشوا بن سکتے ہیں، انکو وہی مقامِ عزت پھر حاصل ہو سکتا ہے جس پر وہ کبھی سرفراز تھے اور جس پر مغربی قوموں کو متمکن دیکھ کر آج ان کے منہ میں پانی بھرا چلا آرہا ہے۔ لیکن اگر اس قوم کے جمہور اسیطرح دوں ہمتی و پست حوصلگی کیساتھ بیٹھے رہے، اگر اسکے نوجوان یونہی غیروں کا پس خوردہ کھانے کو اپنا منتہائے کمال سمجھتے رہے، اگر اسکے علماء اپنی انہی پرانی فقہ و کلام کی فرسودہ بحثوں میں الجھے رہے، اگر اسکے لیڈر اور سیاسی پیشواؤں کی ذلیل ذہنیت کا یہی حال رہا کہ لشکر اغیار کے پیچھے لگ چلنے کو مجاہدانہ عزیمت کا بلند ترین مرتبہ سمجھیں اور بیسویں صدی کے سب سے بڑے فریب میں اپنی قوم کو مبتلا کرنا کمال دانشمندی خیال کریں، غرض اگر اس قوم کے دست و بازو سے لیکر دل و دماغ تک سب کے سب تعطل یا خام کاری ہی میں گرفتار رہیں اور اس کردوں کے انبوہ سے چند مردانِ خدا بھی جہاد و اجتہاد فی سبیل اللہ کیلیے کمر باندھ کر نہ اٹھ سکیں، تو پھر

© rasailojaraid.com